KitaabPoint.blogspot.com

نظر آ رہا تھا۔ اب وہ نہیں رکے تو میں کیا کرتا۔ مگر میری دلیل میری بیگم کو قائل نہ کر سکی۔ ان کے کہنے سننے سے مجھے بھی احساس ہوا کہ یہ کام ذرا غلط ہو گیا۔ مجھے آپ کو کسی نہ کسی طور روک لینا چاہئے تھا۔ صبح ہی صبح بیگم نے کہا فون کر کے خیریت معلوم کرو۔ میں نے کہا کہ نہیں' میں بینک جا کر خیریت بھی معلوم کروں گا اور اپنی خطا کی معافی بھی مانگوں گا۔"

"ارے رفیق صاحب' آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ معافی مانگنے کی اس میں کونسی بات ہے۔ اور وہاں کونسا بڑا خطرہ تھا۔ میں تو بہت آرام سے آیا۔ بس ذرا سناٹا نظر آ رہا تھا۔ باقی تو کوئی ایسی بات نہیں تھی۔"

"لگتا یہی ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آدمی ادھر یہ سوچتا رہ جاتا ہے' ادھر بہت کچھ ہو جاتا ہے۔" رفیق صاحب رکے' پھر بولے "جواد صاحب' آپ میرے یا مجو بھائی کے لہجہ سے یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں خطرے کا احساس نہیں ہے۔ ہمیں شاید آپ سے زیادہ ہی احساس ہو۔ کم از کم میں تو بہت خوفزدہ رہتا ہوں۔ لیکن خوف کو چھپانا پڑتا ہے۔ کیسے نہ چھپاؤں۔ میری بیگم پہلے ہی ڈری سہمی رہتی ہے۔ اگر اسے پتہ چل جائے کہ میں بھی ڈرا ہوا ہوں تو وہ تو بالکل ڈھیر ہو جائے گی۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"میں اس روز عقوبت خانے کی بات کر رہا تھا نا؟"

"ہاں' پھر؟"

"محلہ میں اڑتی اڑتی یہ جھوٹی سچی خبر اس نیک بخت کے کانوں تک پہنچ گئی۔ میں نے بہت ٹالا کہ بیگم آج کل سو طرح کی افواہیں اڑ رہی ہیں۔ اس طرح ہم نے ان پر کان دھرا تو زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر اچانک رات کو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اجی کیا سو گئے۔ سن رہے ہو' میں سوتے سے جاگ اٹھا۔ کیوں کیا بات ہے؟ بولی کسی کی چیخوں کی آواز آ رہی ہے۔ میں دیر تک کان لگا کر سننے کی کوشش کرتا رہا۔ کوئی آواز نہیں تھی۔ بیگم تمہارا وہم تھا۔ اے لو' میرا وہم تھا۔ ایسی تو چیخ کی آواز آئی تھی۔ پھر ایک رات کیا ہوا۔ سوتے سوتے اٹھ بیٹھی۔ بولی کہ سن رہے ہو میں نے کہا' کیا ہوا۔ بولی بلی رو رہی ہے۔ تو پھر کیا ہوا' میں نے کہا۔ اے لو' کچھ ہوا ہی نہیں' بلی کا رونا کوئی اچھی بات ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ اصل میں وہ بلے کو پکار رہی ہے۔ مگر توبہ کیجئے۔ ایک تو یار' یہ تم لوگ جو ادھر سے آئے ہو توہمات کی گٹھریاں باندھ کر اپنے ساتھ لائے ہو۔"

میں ہنس دیا "گویا یہاں لوگ توہمات سے بری تھے۔"

"یہاں بھی تھے توہمات' مگر اس رنگ سے نہیں کہ پتہ بھی کھڑکے تو ایک افسانہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایک بیان تو روز ہی مجھے سننا پڑتا

KitaabPoint.blogspot.com

ہے۔اللہ خیر کرے' آج صبح سے میری دائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔اور جواد صاحب میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بیگم ہی کی آنکھ کیوں پھڑکتی ہے۔کبھی تو میری آنکھ کو بھی پھڑکنا چاہئے۔قدرت سارے اشارے میری بیگم ہی کو کرتی ہے۔مجھے وہ اس لائق نہیں سمجھتی۔''

میں کیا جواب دیتا۔ہنس کر چپ ہو گیا۔

''یار' تم ہنس رہے ہو۔ہم لوگ بہت مشکل میں ہیں۔اور پھر جس علاقے میں ہم رہتے ہیں' بس کچھ مت پوچھو۔''

''ہاں واقعی اس علاقے میں رہنا بہت ہمت کا کام ہے۔میں تو حیران ہوں کہ آپ یہاں کس طرح رہتے ہیں۔''

''بس پوچھو مت۔روز آزمائش سے گزرتے ہیں۔سخت احتیاط برتنی پڑتی ہے ورنہ اب تک تو اپنا کام ہو چکا ہوتا۔''

''ہاں نقشہ تو یہاں کا کچھ اسی طرح کا ہے۔''

''مرنا تو یہاں کا معمول ہے۔زندہ بچے رہنا البتہ ایک معجزہ ہے۔'' رکے۔پھر بولے ''معجزہ اپنی جگہ' احتیاط بہر حال لازم ہے۔ ویسے معجزے بھی احتیاط ہی کے رہین منت ہوتے ہیں۔اب جواد صاحب' یہ جو آپ کا بینک ہے یہ بھی تو بہت خطرناک جگہ ہے۔جو بینک میں بیٹھا ہے وہ سب سے زیادہ خطرے میں ہے۔آپ نے ایک بندوق بردار گیٹ پہ کھڑا کر دیا ہے' اس کی کیا حیثیت ہے۔ بھائی سیکیورٹی کا کوئی معقول بندوبست کرو۔''

''رفیق صاحب' آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ہم کتنا بندوبست کر سکتے ہیں۔دو گارڈ اور کھڑی کر دیئے جائیں' پھر بھی کیا فرق پڑے گا۔وہ مخلوق جس طرح لیس ہو کر آتی ہے اور جس طرح نازل ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں ہمارے حفاظتی انتظامات کیا معنی رکھتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔مگر بساط بھر تو احتیاط برتنی ہی چاہئے۔آگے جو اللہ کو منظور۔''

رفیق صاحب کے اس وقت کے موڈ کو دیکھ کر مجھے حوصلہ ہوا اور میں نے وہی سوال جسے مجو بھائی نے کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا ان سے کر ڈالا۔مجو بھائی کے پاس تو نپا تلا جواب ہے کہ سوچنا چھوڑ دو یا پھر کراچی چھوڑ دو۔''

رفیق صاحب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔بس اسی کے ساتھ ان کا اپنا معمول کا لہجہ واپس آ گیا۔''کراچی کیوں' پھر تو پاکستان چھوڑنا پڑے گا۔'' رکے۔پھر اسی طرح ہنستے ہوئے بولے ''میں کوئی جھوٹ کہہ رہا ہوں۔مجو بھائی سمجھتے ہیں کہ سوچنے والے کے لئے مصیبت خالی کراچی میں ہے۔سبحان اللہ۔اس روز آپ پوچھ رہے تھے کہ کراچی آپ کی مجبوری کیوں ہے جبکہ لاہور میں آپ کا جدی ٹھکانہ موجود ہے۔اور آپ ایسے کہہ رہے تھے۔جیسے لاہور پاکستان میں نہ ہو۔پاکستان سے باہر.....۔''

KitaabPoint.blogspot.com

اس گھڑی اپنے مرزا صاحب' بر میں شیروانی ہاتھ میں چھڑی' آن وارد ہوئے۔

''اخاہ رفیق صاحب بھی موجود ہیں۔ چپڑی اور دو دو۔''

رفیق صاحب نے بھی اسی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ کھڑے ہو کر بغل گیر ہوئے۔

''مرزا صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے۔''

''عزیز' مزاج کا احوال کیا پوچھتے ہو۔ کمبخت پاؤں میں بیڑی ایسی پڑی ہے کہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔''

''کیسی بیڑی' مرزا صاحب۔''

''زندگی کی بیڑی۔ اور کونسی بیڑی۔ میاں' ہم مرنا چاہتے ہیں۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں مرزا صاحب آپ' ہم آپ کو مرنے نہیں دیں گے۔''

''یہی تو مشکل ہے۔'' مرزا صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا ''مرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ پتہ نہیں کاتب تقدیر نے ہمارے نوشتے میں کیا لکھا ہے۔ فی الحال نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ میاں کل پرسوں کی بات ہے' میں جواد میاں سے یہی شکوہ کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ آگے اللہ کے نیک بندے کس طرح نیت باندھ کر اس دنیا سے سدھارتے تھے۔ حضرت ابوالبدر قدس سرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ شہر میں ایک قتل ہو گیا تو آپ نے گریہ فرمایا اور کہا کہ دنیا میں ظلم بڑھ گیا ہے' اب مرجانا چاہئے۔ ساتھ ہی شیخ جلیل الحق کو پیغام بھجوایا کہ شیخ غسل کر لے۔ شیخ نے جواب بھجوایا کہ پاک ہوں۔ غسل کی حاجت نہیں رکھتا۔ آپ نے پھر پیغام بھجوایا کہ شیخ غسل کرے۔ شیخ نے پھر وہی جواب کہلا بھیجا۔ تب آپ نے پیغام بھجوایا کہ جو ہم کہتے ہیں وہ کر کہ تجھے جو فریضہ ادا کرنا ہے ادا کر سکے۔ تب شیخ نے ہدایت پر عمل کرتے ہوئے غسل فرمایا۔ ابھی غسل سے فارغ ہوئے تھے۔ کہ فرستادہ آیا اور عرض گزار ہوا کہ حضرت ابوالبدر نے رحلت فرمائی۔ افسوس اور تعجب سے پوچھا کہ کیونکر' فرستادے نے کہا کہ حضرت نے دعا فرمائی۔ پھر دراز ہو گئے۔ ہدایت فرمائی کہ جلیل سے جا کر کہو کہ آ کر ہمیں غسل دے۔ پھر آنکھیں موند کر ہچکی لی اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ شیخ جلیل الحق فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت کو غسل دینے لگا تو جناب نے آنکھ کھول کر مجھے دیکھا' مسکرائے اور پھر آنکھیں موند لیں۔ تو میرے عزیز' اللہ کے نیک بندے جب دنیا سے متنفر ہوتے ہیں تو اسی طرح جان جان آفرین کے سپرد کرتے ہیں۔ مگر ہم گنہگاروں کا احوال یہ ہے کہ ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے شہر میں اتنی گولی چل رہی ہے ادھر ہم موت کی تمنا لئے بیٹھے ہیں مگر کوئی گولی ہماری طرف نہیں آتی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''بس مرزا صاحب قبلہ اسی سے سمجھ لیجئے کہ قدرت کہ یہ منظور نہیں کہ آپ کا سایہ ہمارے سر سے اٹھ جائے۔'' رفیق صاحب پھر مسکرائے۔ ساتھ ہی استفسار کیا ''قبلہ' یہ حضرت ابوالبدر کون بزرگ تھے۔''

''ہائے ہائے رفیق صاحب' آپ ان بزرگ کو نہیں جانتے۔ انہیں دنیا میں صرف چڑیوں سے شغف تھا۔ مگر جب چڑیاں بہت تنگ کرتیں تو انہیں مٹھی میں سمیٹتے اور پھنکی مار کر نگل لیتے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد چڑیوں کو اپنے گردن پا کر آزردہ ہوتے تو پھر چڑیوں کو اگلنا شروع کر دیتے۔ ایک ایک چڑیا حلق سے نکلتی اور پھر سے اڑ جاتی۔ فوراً ہی پھر ان کے گرد اکٹھی ہو جاتیں اور شور کرنے لگتیں۔''

''سبحان اللہ۔'' رفیق صاحب نے بیساختہ کہا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میاں جا رہے ہو؟ اتنی جلدی؟''

''میں پہلے سے بیٹھا تھا۔ جواد صاحب مصروف آدمی ہیں' خاصا وقت لیا ان کا۔''

''ارے رفیق صاحب' آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اور میں اتنا مصروف نہیں ہوں جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔ بیٹھئے نا۔''

''نہیں بھئی' اب چلوں گا۔''

''عزیز' یہ ملاقات تشنہ رہی۔ اتنے زمانے بعد ملے اور اتنی مختصر ملاقات۔''

''کسی روز دولت کدے پر حاضری دوں گا۔ پھر مفصل ملاقات ہوگی۔''

''ہاں ہاں میاں ضرور آؤ۔ میاں بس یہ سمجھ لو کہ ہم ٹمٹما رہے ہیں۔ بتی ساری جل چکی ہے۔ تیل ختم ہے۔ بس اب بجھے کہ اب بجھے۔ سو اس سے پہلے کہ بجھ جائیں آؤ اور ملاقات کر لو۔''

''جلدی حاضر ہوں گا۔'' یہ کہا۔ ہاتھ ملایا' مرزا صاحب سے' مجھ سے' اور یہ جا وہ جا۔

''اچھے آدمی ہیں رفیق صاحب۔ شریف آدمی فی زمانہ مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔'' یہ کہتے کہتے مرزا صاحب نے جیب سے چیک نکالا اور میرے سامنے سرکا دیا۔ ''ذرا میاں اس چیک کو دیکھو۔''

کتنے دنوں سے مرزا صاحب کا حساب اسی بینک میں چل رہا تھا۔ میرے یہاں ہوتے ہوئے انہیں اس میں سہولیت نظر آتی تھی۔ ان کا پراویڈنٹ فنڈ' گریچویٹی' اور مہینے کے مہینے ملنے والا پنشن کا چیک' سب جمع جتھا یہیں تھی۔ یہیں سے ہر مہینے گھر کے خرچ اخراجات کے لئے رقم نکلواتے تھے۔ پہلے تو بیٹا یہ فریضہ انجام دیتا تھا۔ لیکن اس کے کانفٹن چلے جانے کے بعد سے چیک جمع کرنے اور کیش کرانے کا بوجھ ان پر آن پڑا تھا۔ سو اب وقتاً فوقتاً ان کی صورت نظر آنے لگی تھی۔

KitaabPoint.blogspot.com

''میاں مشکل سے یہاں پہنچا ہوں۔ ٹیکسی والے کو یہاں آنے میں بہت پس وپیش تھا۔''

''اس علاقے میں تو امن وامان ہے۔ ممکن ہے درمیان میں کہیں گڑبڑ ہو۔''

''یہی کہتا تھا وہ۔ اب تو میاں سب رستے مخدوش ہیں۔ کوئی علاقہ محفوظ نہیں ہے۔ اللہ رحم کرے۔'' رک کر بولے ''آج ہم بیٹھیں گے نہیں۔ جلدی یاں سے نکل جائیں گے۔''

''مرزا صاحب' آپ فکر نہ کریں' میں آپ کو پہنچاؤں گا۔''

''میاں' تم اپنا بینک کا کام کرو گے یا مجھے پہنچاؤ گے۔''

''ویسے تو ڈرائیور موجود ہے۔ مگر آج ہاف ڈے ہے۔ مجھے بھی جلدی ہی نکلنا ہے۔''

سو میں نے مرزا صاحب کا چیک کیش کرایا اور جلدی ہی نکل کھڑا ہوا۔

''جمال دین' رستے میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔''

''گڑبڑ کی ابھی تک تو کوئی خبر نہیں ہے۔ خیر ہی ہے آج تو۔''

''پہلے مرزا صاحب کی طرف چلنا ہے۔''

''جی سر۔''

ادھر اچھی بی پریشان دروازے پہ کھڑی تھیں۔ اوٹ میں سے ہر آتی جاتی ٹیکسی رکشا پر نظر دوڑا رہی تھیں۔ دروازے پہ کار کو رکتے دیکھ کر پہلے حیران ہوئیں۔ پھر مرزا صاحب کو اترتے دیکھا تو اطمینان اور خوشی کی ایک لہر چہرے پہ دوڑ گئی۔

''اجی کہاں رہ گئے تھے۔ میں بولائی بولائی پھر رہی تھی۔ کبھی آنگن میں کبھی ڈیوڑھی پہ۔''

''سعادت کی ماں' میں تمہیں بتا کے گیا تھا کہ بینک جا رہا ہوں۔ وہاں دیر لگے گی۔''

''مگر اتنی دیر۔''

''دیر کہاں ہوئی ہے۔ جواد میاں نے چیک جلدی ہی کیش کرا دیا۔ اور پھر فوراً ہی اپنی گاڑی میں پہنچانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ آئے ہیں۔ ان کی تواضع کرو۔''

''نہیں اچھی بی' اب آپ بالکل زحمت نہ کریں۔ میں چل رہا ہوں۔''

''اے بیٹا' ایسے تو ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے۔ تم ہوا کے گھوڑے پہ سوار تو نہیں آئے ہو۔ تھوڑا دم لو۔ ابھی چائے بناتی ہوں۔

KitaabPoint.blogspot.com

بیٹے کیا بتاؤں۔ ایک لنگڑا لولا نوکر تھا۔ وہ بھی بھاگ گیا۔ اور بخت مارا بتا کے بھی نہیں گیا۔ بس اچانک غائب ہو گیا۔ موت کے لئے کو میں نے اتنا کھلایا پلایا' کپڑے بنا کے دیئے' مگر آج کل کے نوکر کمبخت وفا کرنا تو جانتے ہی نہیں۔ ارے جب اپنے وفا نہیں کرتے تو پھر نوکروں کی کیا شکایت وہ تو ہوتے ہی غیر ہیں۔

''نوکر اس زمانے میں مشکل سے ملتا ہے۔'' میں نے ایک رسمی سی بات کہی۔ اچھی بی نے اس سے اپنا مضمون نکال لیا۔

''اے بیٹا مل بھی جائے تو ٹکتا نہیں۔ اور نوکروں ہی پہ کیا موقوف ہے' اپنوں پرایوں کا سب کا یہی حال ہے اور ہم غیر کی کیا شکایت کریں' خود ہماری بہو نے جو ہمارے ساتھ طوطا چشمی کی ہے۔ اب تم انصاف کرو میری عمر گھر بار سنبھالنے کی تھی۔ عمر گزر گئی کام کام کرتے کرتے۔ ہڈی سے ہیڑا لگ گیا۔ اب تو یہ وقت تھا کہ میں چھپر کھٹ پہ بیٹھتی۔ بہو گھر سنبھالتی۔ مگر اس نے تو میاں کی تلی اکھیڑ دی۔ الگ رہیں گے۔ الگ رہیں گے۔ لو وہ الگ ہو کے بیٹھ گئی۔''

''سعادت کی ماں جانے دو دلہن صاحب کے ذکر کو۔ اور بات کرو۔ جواد میاں تھوڑی دیر کے لئے آئے ہیں۔ زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے۔ دن خراب ہیں۔''

''ہاں بیٹا دن تو بہت خراب ہیں۔ میں تو انہیں گھر سے نکلنے ہی نہیں دیتی۔ آج مجبوری کو گھر سے قدم نکالنے دیا ہے۔''

''مگر سب ہماری طرح ٹھالی ٹھسکے تو نہیں ہیں۔ لوگوں کے کاروبار ہیں' نوکریاں ہیں۔ گھروں سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ اب جیسے ہمارے جواد میاں ہیں۔ کچھ بھی ہو' گولیاں برسیں' بم پھٹیں' انہیں تو اپنے بینک پہنچنا ہی ہوتا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' اچھی بی سوچ میں پڑ گئیں ''اے بیٹا' گھر سے چلتے وقت ایک کام کیا کرو۔ آیۃ الکرسی پڑھ لیا۔ کرو۔ اور دفتر پہنچ کر حصار کھینچ لیا کرو۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو سعادت کی ماں۔ تمہیں آیۃ الکرسی یاد ہے تو سمجھتی ہو کہ سب کو یاد ہو گی۔ کوئی مختصر دعا بتائی ہوتی۔ اور حصار ہے تو بہت اچھی چیز۔ حصار کھینچ لیا جائے تو پھر سمجھ لو کہ بینک محفوظ ہے۔ پھر کسی گارڈ' کسی چوکیدار کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ارے بیٹا' ایک ہی دن میں نے حصار نہیں کھینچا تھا۔ ہونی بات تو ہو کر رہتی ہے۔ اس روز دھیان سے بات اتر گئی۔ سونے سے پہلے روز حصار کھینچتی تھی۔ اس روز بھول گئی۔ اسی روز کلموئے گھر میں آن گھسے۔''

''اللہ کے کلام میں بہت برکت ہے۔'' مرزا صاحب کہنے لگے ''اب کوئی اللہ کا کلام پڑھے ہی نہیں تو اس میں قصور کس کا ہے۔ ارے میاں' جب ہی تو اس شہر سے برکت اٹھ گئی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''ارے اس شہر پہ تو اللہ کا عذاب ہے۔'' اچھی بی نے ٹکڑا لگایا۔

''عذاب سا عذاب۔'' مرزا صاحب نے مضمون کو آگے بڑھایا ''ایسا عذاب تو مغضوب قوموں پر بھی نہیں آیا تھا۔'' مرزا صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا ''ہم کونسے بچے ہوئے ہیں۔ ہم بھی گناہوں کی پوٹ لئے پھرتے ہیں۔ گنہگاروں کے بیچ رہ کر آدمی کس طرح گناہوں سے دور رہ سکتا ہے۔ مگر کیا کریں' کہاں جائیں۔'' تامل کیا۔ پھر بولے ''میاں میں اس روز سنا رہا تھا اس مجذوب کا قصہ جو مستقل کہتا رہتا تھا کہ' میں جب یہاں آیا تو سونا تھا۔ اب چاندی ہوں کچھ عرصہ اور رہا تو جانے کیا بن جاؤں۔ جوا دمیاں' یقین جانا' ہم نے جب اس دیار میں قدم رکھا تھا تو ہم بھی بس سمجھ لو کہ سونا ہی تھے۔ اب چاندی بھی نہیں ہیں۔ کانسی پیتل ہیں۔ نہیں ٹھیکرا ہیں ٹھیکرا۔''

یہ کہہ کر لمبی چپ سادھ لی۔ اچھی بی بھی چائے لے کر آ گئی تھیں۔ پتہ نہیں وہ کس وقت اٹھ کر گئیں اور دم کے دم میں چائے بنا کر لے آئیں۔ چائے ہم نے خاموشی سے پی۔

اچھی بی نے آخر خاموشی توڑی۔ افسردہ آواز میں بولیں ''نگوڑی یہ خبر نہیں تھی کہ ہم ٹھیکرا بن جائیں گے۔''

''خبر تھوڑا ہی ہوتی ہے۔ زمانہ جب بدلنے پہ آتا ہے تو آناً فاناً بدلتا ہے۔''

''آناً فاناً ہی بدلا۔'' اچھی بی نے اسی افسردگی کے ساتھ کہا ''پتہ ہی نہیں چلا کہ ہوا کیسے۔ ابھی سونا ابھی ٹھیکرا۔''

''آگے کیا ہوگا' اللہ بہتر جانتا ہے۔''

''ہاں یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔'' اچھی بی بولیں۔ چپ ہوئیں' پھر تشویش کے لہجہ میں کہنے لگیں ''رات کا کوئی منجھلا پہر ہوگا' میری آنکھ کھل گئی کوئی کتا رو رہا تھا۔ میرا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ پھر صبح تک آنکھ نہیں لگی۔ پتہ نہیں کون کمبخت مارا کتا ہے۔ روز رات کو' بس یہ سمجھو کہ آدھی رات کے آس پاس رونا شروع کر دیتا ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ بلی بخت ماری کو تو میں نے بھگا دیا۔ ایک رات کو بہت رو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ ڈائن جا' اپنے جنوں کو کھا۔ اس کے بعد تو ایسی غائب ہوئی کہ نظر ہی نہیں آئی۔ مگر اس نحوست مارے کتے کا کیا علاج کروں۔''

مرزا صاحب فکرمندانہ لہجہ میں بولے ''جانوروں کا رونا کچھ اچھی بات نہیں ہے۔''

''اور خاص طور پر کتوں کا رونا۔'' اچھی بی نے ٹکڑا لگایا۔

''اللہ ہمارے حال پہ رحم کرے۔'' مرزا صاحب نے یہ کہتے کہتے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہو گئے۔

KitaabPoint.blogspot.com

اچھی بی بھی اب کچھ نہیں بول رہی تھیں۔ آخر میں اٹھ کھڑا ہوا "اچھا مرزا صاحب اب اجازت دیجئے۔"

"اچھا عزیز، تم نے ہمارے لئے بہت زحمت کی۔"

"مرزا صاحب آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ تو میرے لئے عین سعادت تھی۔ اور مجھے تو اس وقت اٹھنا ہی تھا۔ تھوڑا گھر پہ کام تھا۔ میں نے سوچا کہ جلدی گھر چلو۔"

"ٹھیک ہے، ہم تمہیں روکیں گے نہیں۔ ویسے بھی حتی الامکان جلدی ہی گھر لوٹنا چاہئے۔ یہ دن اچھے نہیں ہیں۔"

"مرزا صاحب، دن کب اچھے تھے۔" میں نے یونہی بے دھیانی میں ایک فقرہ لڑھکا دیا۔"

"ہاں بھائی یہ بھی ٹھیک کہتے ہو۔ اچھے دن ہمارے بزرگوں نے دیکھے تھے۔ ہماری قسمت میں اچھے دن تھے ہی نہیں۔ خیر جو اللہ کو منظور۔ اس کی مشیت میں کس کو دخل ہے۔"

وہاں سے نکل کر میں سیدھا گھر پہنچا۔ مجو بھائی گھر پہ موجود نہیں تھے۔

نعمت خاں نے کہا "کھانا تیار ہے جی۔ لگاؤں؟"

"اور مجو بھائی۔ وہ تو ابھی آئے ہی نہیں ہیں۔"

"وہ تو جی چلتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ دوپہر کو کھانے کے لئے میرا انتظار مت کرنا۔"

"اچھا تو پھر کھانا لگاؤ۔"

نعمت خاں نے جھٹ پٹ کھانا لگا دیا۔ میں بھی کھا کر جلد ہی فارغ ہو گیا۔ اسی دم ایک پھریری سی آئی کہ یہ کیا بات ہوئی کہ بینک میں بند بیٹھے تھے۔ وہاں سے نکلے تو گھر میں آ کر بند ہو گئے۔ آج بینک سے جلدی فراغت ہو گئی ہے تو اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔ بس فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ پیدل نکل پڑنے کی ٹھانی۔ جمال دین کو رخصت کرنے لگا تھا کہ یاد آیا کہ آج تو مجو بھائی نے شام کو کہیں چلنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ "اچھا جمال دین، تم اس وقت تو چلے جاؤ۔ شام کو چھ ساڑھے چھ بجے تک آ جانا۔ ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے جی۔"

کتنے زمانے کے بعد پیدل گھر سے نکلا تھا۔ کتنا لطف آ رہا تھا پیدل چلنے میں۔ اور اب مجھے احساس ہوا کہ موٹر کی سواری تو ایک قید خانہ ہے۔

تانگہ اکہ میں کم از کم بند ہونے کا تو احساس نہیں ہوتا۔ موٹر میں تو آدمی بند ہو کر بیٹھتا ہے۔ باہر سے رابطہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

KitaabPoint.blogspot.com

شیشوں کے پیچھے سے تیزی سے گزرتے ہوئے جتنا کچھ نظر آ سکتا ہے اتنا چکھ لو۔ پیدل چلنے کا اپنا لطف ہے۔ پیدل چلتے ہوئے ایک تو زمین سے براہ راست ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ پھر اردگرد کی دنیا زیادہ پھیلی ہوئی' زیادہ کشادہ نظر آتی ہے۔ مجھے اپنا وہ زمانہ یاد آیا جب سواری کے نام کا رتو کجا سائیکل بھی اپنے پاس نہیں تھی۔ بس کی سواری یا پھر اپنی دو ٹانگوں کی سواری۔ کتنا پیدل چلتا تھا ان دنوں۔ زمین کا گز بنا ہوا تھا۔ کتنی خاک پھانکی تھی ان دنوں۔ بینک کی ملازمت نے پیادہ پائی کے ذائقہ سے محروم کر دیا۔ شروع میں سکوٹر' پھر ترقی کے ساتھ موٹر کی سواری میسر آ گئی اور سواری بھی اس طرح کہ ڈرائیور چلا رہا ہے' خود آنکھیں موندے پیر پھیلائے پچھلی نشست پہ بیٹھے ہیں۔ قدموں کی راہ جو زمین سے زندہ رشتہ ایک زمانے تک قائم رہا وہ یکسر ختم۔

جاڑوں کی موسم ہو اور دھوپ نکلی ہوئی ہو' ایسے میں پیدل چلنے کا لطف دوچند ہو جاتا ہے۔ بہت دنوں کے بعد ایسی نرم گرم روشن دوپہر مجھے پیدل چلنے کے لئے میسر آئی تھی۔ عجب آزادی کا سا احساس ہو رہا تھا کہ اپنی رو میں جس طرف چاہوں نکل جاؤں' جہاں چاہوں رک جاؤں۔ موٹر میں سوار ہونے کی صورت میں تو آدمی کو نپے تلے انداز میں چلنا پڑتا ہے۔ بیچ میں رکنا پڑ جائے تو اس کے لئے بھی اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اور نہیں تو پارکنگ ہی کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہاں اس وقت یہ عالم تھا کہ کوئی روک ٹوک ہی نہیں تھی۔ پارک کے برابر سے گزرا تو دھوپ میں پھیلے ہوئے سبزہ زار نے جیسے اشارہ کیا ہو' قدم خود ہی اس طرف مڑ گئے۔ اور میں پہلے بینچ پر بیٹھا۔ مگر پھر جلدی ہی اس نشست سے اکتا کر گھاس پر بیٹھ گیا۔ قریب ہی ایک نوجوان جوڑا بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا۔ مگر وہ ایک دوسرے میں اتنے مگن تھے اور اتنے ڈوبے ہوئے کہ نہ انہیں دھوپ کا احساس تھا اور نہ یہ احساس کہ ان سے تھوڑے فاصلہ پر ایک اجنبی بیٹھا ہے۔ اور شاید انہیں دیکھ بھی رہا ہو۔ مگر میں جلد ہی اس جوڑے سے بے تعلق ہو گیا۔ کمسن لڑکوں کی ایک پارٹی نے بیچ سبزہ زار میں وکٹ کھڑے کر کے کرکٹ کھیلنی شروع کر دی تھی۔ پھر میری ساری توجہ ان کے کھیل پر مرکوز ہو گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گیند ہٹ کے اثر سے تیزی سے لڑھکتی ہوئی میری طرف آتی۔ میرے قریب آ جاتی تو اس سے پہلے کہ فیلڈنگ کرنے والا کوئی کھلاڑی میری طرف آئے میں خود ہی گیند اٹھا کر ان کی طرف پھینک دیتا۔ اور ادھر سے آواز آتی۔ ''تھینک یو انکل۔''

''تھینک یو انکل'' کی تکرار سے میرے اندر سرور پیدا ہوتا چلا گیا۔ میں نے بال پھینکنے میں اب زیادہ سرگرمی دکھانی شروع کر دی تھی۔ بلکہ اب مجھ سے تھوڑے فاصلہ پر بھی گیند آ کر گرتی تو میں جا کر اسے اٹھاتا اور بالر کی طرف لڑھکا دیتا۔ مگر سرور میں کھنڈت پڑ گئی۔ آؤٹ ہونے نہ ہونے کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ کھیل رک گیا اور بحث یہ شروع ہو گئی کہ رن بن گیا یا کھلاڑی رن آؤٹ ہو گیا۔ جب اس پر تکرار ہونے لگی تو میں نے سوچا کہ میں دونوں پارٹیوں میں تصفیہ کرا دوں۔ مگر میری منصفی کی پیش کش سے پہلے ہی وہ آپس

KitaabPoint.blogspot.com

میں گتھم گتھا ہو گئے۔

میں نے انہیں لڑتا چھوڑا اور پارک سے نکل آیا۔ ویسے بھی اب دھوپ جا رہی تھی۔ نوجوان جوڑا ابھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جب میں گیٹ سے نکل رہا تھا تو ان کا سکوٹر تیزی سے میرے برابر سے گزرا۔ لڑکی نے نوجوان کی کمر میں ہاتھ حمائل کر رکھے تھے۔ ہوا سے اس کے بال اڑ رہے تھے۔ جب تک سکوٹر آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو گیا میری نظریں سکوٹر کا تعاقب کرتی رہیں۔

میں اب چائے خانوں کے برابر سے گزر رہا تھا۔ یہ پورا فٹ پاتھ ہی چائے خانوں کی زد میں تھا۔ یہاں سے وہاں تک میزیں سجی تھیں۔ کوئی میز خالی نہیں تھی ورنہ شاید میں بیٹھ ہی جاتا۔ فٹ پاتھ پر پڑی میز پر بیٹھ کر چائے پینے کا اپنا مزہ ہے۔ کسی بڑے ہوٹل میں چھت تلے کسی مزین ہال میں بیٹھ کر چائے پینے کے لئے تو بہت تکلف کرنا پڑتا ہے۔ یہاں صورت یہ ہے کہ اہلے گہلے پھرتے پھراتے آئے اور بے تکلفی سے کسی میز پر آ کر جم گئے۔ چائے پینے والے یہاں اس وقت اسقدر تھے کہ کوئی میز خالی نظر ہی نہیں آئی کہ میں اس پر قبضہ جماتا۔ پھر میں نے سوچا کہ چلو اچھا ہی ہے۔ ایک دفعہ بیٹھ گئے تو بیٹھ ہی جاؤ گے۔ اور چلنے کی لذت سے محروم ہو جاؤ گے۔ تو بس چلتے رہو۔ واپسی میں دیکھیں گے۔ اس وقت شاید کوئی میز خالی مل جائے۔ سو میں آگے بڑھ لیا۔

فٹ پاتھوں پر ایک رش پیدل چلنے والوں کا' دوسرا رش چائے پینے والوں کا بوتلیں پینے والوں کا' سگریٹ پان خریدنے والوں کا' اور تیسرا رش اس ٹریفک کا جو برابر میں رواں دواں تھی۔ یہ رش سب سے بڑھ کر تھا۔ ہاں اور اس سے ذرا آگے شادی گھروں کی ایک قطار جگمگ جگمگ کرتی نظر آ رہی تھی۔ شام ہو چلی تھی اور شادی گھروں پر لدے پھندے رنگ برنگے قمقمے جگمگا اٹھے تھے۔ اس سارے ہنگامے کو دیکھ کر میں تھوڑا حیران ہوا۔ تھوڑا نہیں بہت حیران ہوا۔ میں نے دل میں کہا کہ کہاں دہشت گردی ہے' کہاں گولی چل رہی ہے۔ ہم لوگ اپنے گھروں اور دفتروں میں بیٹھے ڈرتے رہتے ہیں' شہر کے اندیشے میں دبلے ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تو زندگی اپنی پوری آب و تاب سے رواں دواں ہے۔

پہلے میں حیران ہوا۔ پھر اطمینان کا سانس لیا اور میرے قدم اب زیادہ اعتماد سے اور زیادہ تیزی سے اٹھنے لگے۔ چلتے چلتے میرے کان کھڑے ہوئے۔ کہیں قریب ہی سے ایک شور سنائی دے رہا تھا۔ بیچ بیچ میں نعرے' نعرۂ تکبیر' اللہ اکبر' یا الٰہی کیسا شور ہے۔ کوئی احتجاجی جلوس تو ادھر نہیں آ رہا۔ مگر جلد ہی عقدہ کھل گیا۔ چند قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک پنڈال خلقت سے لبریز نظر آیا۔ کوئی جلسہ ہو رہا تھا۔ ''غافل مسلمانو' غازی عطاء اللہ تم سے صرف ایک بات پوچھتا ہے کہ تمہارے سینے سوز دروں سے کیوں محروم ہو گئے۔'' اچھا غازی صاحب ہیں' میں چونکا۔ میں جلدی سے اس مقام سے گزر جانا چاہتا تھا اندر ایک لہر اٹھی کہ سنو تو سہی کہ غازی صاحب پبلک

KitaabPoint.blogspot.com

جلسہ میں کیا کہتے ہیں۔ ''مسلمانو' مجھے بس اس ایک سوال کا جواب دے دو۔ مگر جواب کون دے گا۔ میری بے عقلی دیکھو کہ میں ان سے پوچھ رہا ہوں جو مغرب کی عقل عیار کے دام میں پھنس کر' ان کی سائنس ان کا فلسفہ پڑھ کے بصیرت سے محروم ہو چکے ہیں۔ میں اندھیروں میں روشنی تلاش کر رہا ہوں۔ یہ میری دیوانگی نہیں تو کیا ہے۔ عطا اللہ کو اپنی دیوانگی کا اعتراف ہے۔ یہ دیوانہ اپنے جیسے دیوانوں کی تلاش میں ہے' ایسے دیوانے جو نئی عقل و دانش کے بتوں کو پاش پاش کر دیں' آج کے ابوجہلوں اور ابولہبوں سے ٹکرا جائیں' مغرب کے اسلام دشمن پہاڑوں کو اپنی ٹھوکروں سے دو نیم کر دیں..... مسلمانو' مجھے صرف تین سو تیرہ دیوانے درکار ہیں۔ جس روز یہ تین سو تیرہ دیوانے میری صدائے درد پر لبیک کہتے ہوئے.....۔''

نمونہ کلام دیکھ لیا تھا۔ میں جلد ہی آگے بڑھ گیا۔ اور جلدی ہی ایک نئے منظر نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ شادی گھر اب کچھ زیادہ جگمگا اٹھے تھے۔ ان کے آس پاس سڑک پر دور تک گاڑیوں کی قطاری چلی گئی تھی۔ خواتین کاروں سے اتر رہی تھیں اس رنگ سے کہ زرق برق جوڑوں میں گلابی اور سونے میں پیلی ہو رہی تھیں۔ شہر میں امی جمی اور کس طرح ہوتی ہے' میں نے سوچا اور کتنے داستانی شہر میرے تصور میں گھوم گئے۔ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ' کسی ملک میں تھا کوئی بادشاہ' رعیت خوش حال' خاص و عام' سب کی نیک چال' سونا' جنگلوں بازاروں میں اچھالتے چلے جاؤ' کوئی اچکے کسی کی کیا مجال' دل کی کتنی ڈھارس ہوئی۔

میں اب اچھا خاصا چل لیا تھا۔ تھک گیا تھا۔ اپنے پچھلے حساب سے یہ لمبی ٹہل نہ ہو لیکن اب کے حساب سے تو تھی۔ سو مڑا اور جس رستے سے آیا تھا اسی رستے سے واپس ہوا۔ اب واقعی چائے کی طلب تھی۔ سوچا کہ جن چائے خانوں میں آتے ہوئے چائے نہیں پی سکے تھے وہیں چل کر پھر قسمت آزمائی کرو۔ سڑکوں کو اتنا ناپا ہے تو چائے بھی لب سڑک ہی پی جائے۔ قسمت نے یاوری کی۔ رش بہت تھا۔ چٹورے کباب تکوں کے آرڈر دے رہے تھے اور چائے کے لئے غل مچا رہے تھے۔ میں تاک میں کھڑا تھا۔ ایک پارٹی اٹھی تو فوراً ہی اس میز پر قبضہ کر لیا۔

چائے کا آرڈر دینے کے ساتھ ساتھ میں نے کلائی پر لگی گھڑی دیکھی اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ محبوب بھائی بیٹھے مجھے کوس رہے ہوں گے۔ اب تو ان کے پروگرام کا وقت شروع ہونے لگا ہے۔ میں نے آرڈر دیتے ہوئے لڑکے سے پوچھا کہ ''تمہارے یہاں ٹیلی فون ہے۔''

''ہاں ہے جی۔''

میں نے کاؤنٹر پر جا کر فوراً گھر فون ملایا۔ محبوب بھائی بول رہے تھے اور غصے میں تھے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میں گھر پہ بیٹھا بور

KitaabPoint.blogspot.com

ہو رہا تھا۔ ذرا دل اور سا کرنے کے لئے باہر نکل آیا۔ یہاں دیر ہو گئی۔ جمال دین پہنچ چکا ہو گا۔ اسے میری طرف بھیج دو۔ زیادہ دور نہیں ہوں۔ بس ابھی آیا۔ پھر جمال دین کو فون پر بلا کر اسے چائے خانے کا محل وقوع سمجھا دیا۔

فون کر کے واپس آیا تو دیکھا کہ ایک صاحب آ کر شریک میز ہو گئے ہیں۔ ان چائے خانوں میں یہی ہوتا ہے۔ اگر آپ اکیلے ہیں تو خطرے میں ہیں۔ کوئی اجنبی آ کر آپ کی میز میں آپ کا شریک بن سکتا ہے۔ سو میں کیا کرتا۔ چپ ہو رہا۔ مگر اندر سے کچھ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس میز پر میری آزادی ختم ہو گئی ہو۔

''آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے۔'' اس نے بالآخر سلسلہ کلام شروع کیا۔

میں نے ایک بار پھر اپنی گھڑی دیکھی اور مختصراً جواب دیا ''ساڑھے چھ۔''

ریل میں سفر کرتے ہوئے یا ریستوران میں چائے پیتے ہوئے آپ کے قریب بیٹھا کوئی اجنبی وقت پوچھے تو سمجھ لیجئے کہ یہ کسی لمبی گفتگو کا پیش لفظ ہے۔ تو مجھے یہی اندیشہ ہوا تھا کہ اس شخص کی نیت نیک نہیں ہے۔ کوئی باتونی آدمی ہے۔ انگلی پکڑ لی ہے' اب پہنچا پکڑے گا اور مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن شاید میرے روکھے پھیکے جواب نے اسے مایوس کیا۔ اگلی بات کرنے کی بجائے اس نے میز پر پڑا ہوا شام کا اخبار اٹھایا اور بڑے انہماک کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر یہ بھی عجب ہوا کہ جب تک یہ اخبار میز پر پڑا تھا میں نے اسے پڑھنا تو کجا اس کی سرخیوں پر بھی نظر دوڑانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ مگر دوسرے کے ہاتھ میں پہنچتے ہی وہ دو ورقی اخبار میرے لئے ایک کشش کی چیز بن گیا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اخبار کے اس حصے پر جو میری طرف تھا نظر ڈالی اور جلی سرخیوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ خبریں کیا ہیں۔

تھوڑا پڑھنے اور ورق الٹ پلٹ کرنے کے بعد اس شخص نے اخبار سے فراغت پالی۔ اخبار بند کرتے ہوئے بڑبڑایا ''اللہ ہم پہ رحم کرے۔'' اور اسے میری طرف بڑھا دیا۔ ''آپ پڑھیں گے۔''

مجھے یوں لگا کہ اس نے میری نظروں سے تاڑ لیا ہے کہ میں اس انتظار میں ہوں کہ وہ اخبار پڑھ چکے تو میں اسے لے کر پڑھنا شروع کر دوں۔ اس خیال کے ساتھ میں تھوڑا سٹپٹایا اور جھٹ سے جواب دیا ''جی نہیں' آپ پڑھیں۔ مجھے ان خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

مجھے بالکل احساس نہیں تھا کہ یہ آخری فقرہ کہہ کر میں پھنس جاؤں گا۔ بس وہ شروع ہو گیا ''آپ صحیح کہتے ہیں۔ کسی شریف آدمی کو ان خبروں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ قتل' اغوا' زنا' فائرنگ' بم بلاسٹ۔ جیسے شہر میں اس کے سوا کوئی سرگرمی ہے ہی نہیں۔ کم از کم

KitaabPoint.blogspot.com

اخبار تو یہی ثابت کرتے ہیں۔ مجال ہے کوئی کام کی خبر ہو۔ بس انہیں دہشت خیز وارداتوں سے اخبار بھرا ہوتا ہے۔ آخر کہیں سے کوئی اچھی خبر بھی تو آنی چاہئے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ اخبار والے آخر اچھی خبریں کیوں نہیں دیتے۔ یا ایسا ہے کہ دینے کے لئے اب کوئی اچھی خبر ہے ہی نہیں۔ کیوں جناب آپ کا کیا خیال ہے۔"

میں پریشان کہ کیا جواب دوں۔ ہوں ہاں کر کے بھی نہیں ٹال سکتا تھا کہ اس نے براہ راست مجھ سے سوال کیا تھا "آپ کی شکایت بجا ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔ "مگر اچھی خبر آئے گی تو وہ دیں گے۔"

"آپ صحیح کہتے ہیں۔ واقعی یہی بات ہے۔ اچھی خبر اگر آئے ہی نہیں تو اخبار والے کیا کریں' کہاں سے پیدا کریں۔ وہ بیچارے مجبور ہیں۔ آخر انہیں اپنا اخبار بیچنا ہوتا ہے۔ اچھی خبر نہیں ملتی تو بری خبریں چھاپتے ہیں۔ صاحب کیا زمانہ آیا ہے' اچھی خبر ہی غائب ہو گئی۔ جو خبر آتی ہے۔ وحشت ناک ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں صاحب' آپ کا کیا خیال ہے۔ کچھ سمجھائیے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"پہلے اپنی سمجھ میں تو آئے۔" میں نے پھر مختصر سا جواب دے کر ٹالنا چاہا۔ مگر وہ صاحب ٹلنے والی شئے نہیں تھے۔

"آپ صحیح کہتے ہیں۔ واقعی یہی بات ہے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ مگر یہ آخر کب تک ہوتا رہے گا۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ اس کا کوئی تو علاج تو ہونا چاہئے۔ حکومت تو کانوں میں کڑوا تیل ڈالے بیٹھی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر تو نہیں بیٹھنا چاہئے۔ ہمیں کچھ سوچنا چاہئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور اس کا کیا علاج ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ اس کا کیا علاج ہے۔"

"علاج" میں مشکل میں پھنستا چلا جا رہا تھا "جی مجھے تو معلوم نہیں۔ آپ سوچئے۔"

"جناب' میں نے تو سوچا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سارے آشوب کا ایک ہی علاج ہے۔ اور جناب یہ زبانی بات نہیں ہے۔ زبانی بات تو ہوا میں اڑ جاتی ہے۔ میں نے ایک مراسلہ لکھا تھا اور بہت تفصیل سے بتایا تھا کہ ہمارا روگ کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔ میں نے کئی اخباروں کو وہ مراسلہ بھیجا تھا۔ مگر کسی نے نہیں چھاپا۔ یہ اخبار والے بے حس لوگ ہیں۔ قومی احساس تو ان کے یہاں ہے ہی نہیں۔ بیکار کی خبریں اخبار میں بھر دیتے ہیں۔ کام کی بات کبھی نہیں چھاپتے۔ بہر حال میں نے تو اپنا فریضہ ادا کر دیا تھا۔ اس مراسلہ میں قوم کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ یہ ہمیں اسلام سے منحرف ہونے کی سزا مل رہی ہے۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہوگا۔ صرف ایک علاج ہے کہ اسلامی نظام فوری طور نافذ کر دیا جائے۔ کیوں کیا خیال ہے آپ کا"۔

KitaabPoint.blogspot.com

''کیسے نافذ کر دیا جائے۔'' یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔

''ڈنڈے کے زور سے۔ اور کیسے۔ جناب ہمیں ایک مرد آہن کی ضرورت ہے جو ہمیں مار مار کے سیدھا کر دے۔ جمہوریت کو تو ہم نے آزما کے دیکھ لیا۔ وہ ہمارے مرض کا علاج ہے ہی نہیں۔ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہیں کہ جمہوریت نے ہمارا کیا حال کیا ہے۔''

برابر کی میز سے ایک تن جلے نے جو دیر سے کان لگائے یہ گفتگو سن رہا تھا تڑپ کر کہا ''ارے صاحب یوں کہئے کہ ہم نے جمہوریت کا کیا حال کیا ہے۔''

''کیا مطلب ہے' آپ کا۔'' میری میز والے نے برہمی سے کہا۔

''مطلب صاف ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسے آپ جمہوریت کہیں گے۔''

چائے والا لڑکا اسی دم برابر سے گزرا۔ میں نے اسے روکا اور پوچھا ''میاں چائے کتنی دیر میں لا رہے ہو۔''

شاید میرے کہنے پر ہی میرے ہمنشین کو یاد آیا کہ وہ بھی تو یہاں چائے کی آس پر بیٹھا ہے۔ اس نے گرم لہجہ میں اسے یاد دہانی کرائی۔ ''ابے اولمڈے' تو کتنی دیر اور انتظار کرائے گا۔ چائے ملے گی یا نہیں ملے گی۔''

''بس جی ابھی لایا۔''

''ہافٹافٹ لے کے آ۔''

''ابھی آیا جی۔'' لڑکے نے یہ کہا اور اس تیزی سے گیا جیسے وہ واقعی ابھی چائے لے کر آ رہا ہے۔''

میرا ہمنشین مجھ سے اب بے نیاز ہو چکا تھا۔ سو جب دوبارہ اس نے سلسلہ کلام شروع کیا تو مجھے مخاطب کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ برابر والی میز پہ بیٹھے شخص ہی سے اس کا خطاب تھا ''مغرب نے ہمیں دو تحفے دیئے ہیں' جمہوریت اور بے حیائی۔''

''میں پوچھ سکتا ہوں کہ دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔''

''بہت تعلق ہے۔ یہ جو نوجوانوں میں مادر پدر آزادی آئی ہے یہ اسی جمہوریت کی دین ہے۔ اور لڑکیاں تو بالکل برباد ہو گئیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس وقت کتنی بے حیائی پھیل رہی ہے۔ ہر لڑکی ڈش انٹینا دیکھتی ہے۔ مگر ہمارے مغرب زدہ لوگ اسے بے حیائی نہیں کہتے۔ آزادی نسواں کہتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آزادی نسواں کا مطلب کیا ہے۔ یہی نا کہ شوہر کو شوہر نہ سمجھے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ہمیں ایک مرد آہن کی ضرورت ہے۔ جمہوریت کی ضرورت نہیں ہے۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''وہ کیا کرے گا۔'' تن جلے نے جل کر پوچھا۔

''پہلے تو وہ ان سیاستدانوں کو مرغا بنائے گا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اسے یہی کرنا چاہئے۔ سب سیاستدانوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دے اور کہے کہ مرغا بن جاؤ سیاستدانوں کو مرغا بنانے کے بعد وہ.....۔''

''اس کے بعد وہ قوم کو مرغا بنائے گا۔'' تن جلے نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میرے خیال میں اسے کرنا یہ چاہئے کہ جو چوں بھی کرے اسے گولی سے اڑا دے۔ میں کہتا ہوں کہ دنوں میں یہ قوم ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر نہ ہوئی تو میں آپ کی ٹانگ کے نیچے سے نکل جاؤں گا۔''

تن جلے کا چہرہ سرخ ہو گیا ''گویا آپ مارشل لاء چاہتے ہیں۔''

''مسٹر میں اس جمہوریت سے نجات چاہتا ہوں۔ اور اسلام چاہتا ہوں۔ سمجھے۔''

عین اسی وقت کہیں قریب سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ اور اسی کے ساتھ ایک شور اٹھا ''آ گئے'' اور بھگدڑ مچ گئی۔ دم کے دم میں میرے اردگرد کی سب میزیں خالی ہو گئیں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک دم سے لوگ کیوں بھاگ کھڑے ہوئے اور اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئے۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ برابر سے دو ٹیکسیاں گزریں۔ ساتھ میں فائر کی آوازیں۔ اس کے بعد.....

اس کے بعد تو مجھے ہوش ہی نہیں رہا۔ بجلی کی سی تیزی سے..... جیسے میرے پرخچے اڑ گئے ہوں۔

میں مر چکا تھا۔ اس وقت تو یہی لگ رہا تھا۔ جیسے میں اب زندہ نہیں ہوں۔ فٹ پاتھ پہ پڑی لاش۔ ہاں بالکل۔ پھر بھی کہیں میرے اندر زندگی کی کوئی رمق' نہیں زندگی کی رمق کہاں' بس احساس کی کوئی رمق انکی رہ گئی تھی۔ یا یوں کہہ لو کہ پورا وجود ڈھیر ہوا پڑا تھا۔ کوئی ایک ریزہ اچٹ کر الگ تھرتھرا رہا تھا۔ کان میں کوئی کوئی آواز اس طرح آ جاتی جیسے کوسوں دور کوئی بول رہا ہے' بہت سے لوگ بول رہے ہیں۔ کیا ہوا..... گولی لگی ہے..... اچھا..... ہاں..... وہ تو یہ کہئے بروقت..... ڈرائیور نے کمال دکھایا۔ فوراً ہی اٹھا کر ہسپتال..... ہوا کیسے..... آناً فاناً آئے اور سپرے کرتے چلے گئے..... اندھا دھند..... دم کے دم میں آئے اور گئے..... اور پولیس..... توبہ کرو..... کوئی نئی بات نہیں ہے..... اللہ رحم کرے..... ویسے یہ بھی معجزہ ہی ہے کہ..... ہاں معجزہ ہی ہو گا اگر جان بچ جائے..... اللہ چاہے تو..... کیا کہتے ہیں ڈاکٹر..... جان بچ جائے..... ابھی رپورٹ..... جیسے سوتے میں آوازیں آ رہی ہوں' ایسے عالم میں کہ آدمی پوری طرح سویا ہوا بھی نہ ہو اور پورا جاگ بھی نہ رہا ہو۔

KitaabPoint.blogspot.com

آدھا سوتا آدھا جاگتا' اور سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ بات کس کے بارے میں ہو رہی ہے۔ کس کے گولی لگی ہے۔ کب کی بات ہے۔ کون تھا وہ..... میرے؟..... نہیں..... اچھا..... مجھے کتنا تعجب ہوا۔ مجھے یعنی اس ریزے کو جو مرتے وجود سے اچٹ کر الگ تھر تھرا رہا تھا۔ اب جتنی بھی زندگی تھی اسی ریزے میں تھی ریزہ اپنے آپ کو پوری ذات سمجھ رہا تھا۔ پورا وجود بن کر سوچ رہا تھا۔ حیران ہو رہا تھا۔ متجسس تھا۔ کب لگی گولی؟..... کیسے؟..... اور اب..... وہیں پڑا ہوں یا کسی نے اٹھا کر..... مجھے تو معلوم ہونا چاہئے کہ آخر..... اور میں نے تھرتھراتے ریزے نے' کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو اکٹھا کیا۔ اکٹھا کرنے کو وہاں تھا کتنا۔ بہرحال جتنا بھی تھا تو جس حد تک اپنے آپ کو اکٹھا کر سکتا اکٹھا کیا۔ کرایا "خیرل بھائی۔"

"یار خیرل بھائی یہاں کہاں آ گئے۔ میں ہوں مجو بھائی۔"

"اچھا خیرل بھائی نہیں ہیں۔ کہاں ہیں۔"

"میں مجو بھائی ہوں۔"

"اور میں؟"

"تم جواد ہو۔"

"جواد؟..... اچھا؟" مجھے کتنا تعجب ہوا۔

"مجھے پہچان رہے ہو؟"

"خیرل بھائی' آپ کو.....-"

"یار خیرل بھائی نہیں..... میں مجو بھائی ہوں اور تم.....-"

"میں..... کہاں ہوں میں۔"

"ہسپتال میں.....-"

"ہسپتال میں؟..... اچھا؟..... آخر کیوں۔" میرا خیال ہے حافظہ پہ اثر پڑا ہے"۔ کسی نے کہا۔

"جواد کچھ یاد ہے' گولی کیسے لگی تھی"۔

"گولی؟..... مجھے گولی لگی تھی؟..... مگر کب؟"

"ہاں ذرا یاد کرنے کی کوشش کرو۔ کب گولی لگی تھی تمہیں۔

KitaabPoint.blogspot.com

میں تمہیں اسی لئے کہا کرتا تھا کہ استاد ذرا ہوشیار رہا کرو۔ یہ نہیں کہ منہ اٹھایا اور چل کھڑے ہوئے۔ میں اسی دن سے ڈرتا تھا۔ خیر اللہ رحم کرے گا..... ''مجھے لگ رہا تھا کہ مجو بھائی کہیں دور کھڑے بول رہے ہیں۔ جیسے بولے چلے جا رہے ہیں اور ادھر جیسے اتنے لفظ سننے کی سکت نہ ہو۔ جو گھٹ گھٹا کر ایک ریزہ رہ گیا ہو اس کی سماعت میں کتنی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ریزہ کتنا سن سکتا ہے۔ اس کے لئے تو ایک لفظ کی سماعت بھی بار ہونی چاہئے مگر میں سن کیسے رہا تھا۔ پورا وجود تو ادھر ڈھیر ہوا پڑا تھا۔ ادھر ایک ریزہ ہی تو تھرک رہا تھا۔ اپنے آپ کو پورا وجود سمجھ رہا تھا۔ ایسے سن رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ ثابت و سالم وجود ہے۔ مگر جلد ہی اس کی قلعی کھل گئی۔ آواز مدھم ہوتی چلی گئی۔

میں تو مر چکا تھا۔ پھر یہ میرے اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے؟ مجھے تعجب ہوا۔ تو گویا مرنے کے بعد احساس باقی رہتا ہے اور قوت سماعت بھی۔ احساس کی نبض رک رک کر چل رہی تھی لیکن بہر حال چل رہی تھی۔ چل کیا رہی تھی' آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھی۔ بالکل ڈوب ہی نہ جائے۔ اسے ڈوبنا نہیں چاہئے۔ پھر تو میں بالکل ہی ڈوب جاؤں گا۔ میں نے پھر اپنے آپ کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ مجھے اتنا احساس تھا کہ میں سارا کا سارا بکھر گیا ہوں۔ اکٹھا کیسے کروں گا اپنے آپ کو۔ پھر بھی ہمت کر کے اپنے آپ کو اکٹھا کرنے کی ایک کوشش کی۔ اکٹھا کر کے یاد کرنے کی کوشش کی کہ ہوا کیا تھا؟..... گویا اگر یہ یاد آ جائے کہ ہوا کیا تھا تو میں ایک مرتبہ پھر اپنے آپ میں آ جاؤں گا۔ کیا واقعی گولی لگی تھی۔ میں نے اپنے حافظہ سے لڑنا شروع کیا۔ کچھ کچھ یاد آیا مگر عجب انداز سے جیسے زمانہ پہلے ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو۔ فراٹے سے گزرتی ہوئی دو ٹیکسیاں' بھگدڑ..... لوگ کیوں بھاگ رہے ہیں' کون لوگ ہیں؟ کوئی واضح تصویر ذہن میں ابھر نہیں پا رہی تھی۔ تصویر مرتب ہوتے ہوتے پھر بکھر گئی۔ جیسے نبض پھر ڈوبتی جا رہی ہو۔ پھر ہوش و حواس کے سمیٹے ہوئے ریزے بکھیرنے لگے ہوں۔ پھر بھی ایک ریزہ' کوئی ننھا سا ذرہ' بس ایک کنکی' عجب ہوتا ہے پورا وجود بکھر جاتا ہے۔ ساری جان نکل جاتی ہے مگر کوئی ایک ریزہ' کوئی ایک کنکی اپنے آپ کو بچا لے جاتی ہے اور اپنی خود مختاری کا اعلان کرتی ہے۔ تو کہیں ایک ریزہ بچا رہ گیا تھا۔ میں اب پورے کا پورا اس ریزے میں تھا اور اپنے ریزہ وجود کے ساتھ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جب میں سالم تھا' جب ابھی گولی نہیں لگی تھی۔ مگر گولی کب لگی تھی' کدھر سے آئی تھی۔ میں اس وقت کہاں تھا۔ تو کیا میں ڈھے گیا تھا۔ کس نے مجھے اٹھایا تھا یا نہیں اٹھایا تھا۔ اگر نہیں اٹھایا تھا تو اس کا مطلب ہے ابھی تک وہیں پڑا ہوں۔ عجب ہوتا ہے کہ جوان جہان آدمی اپنے لاٹھ سے وجود کے ساتھ دم کے دم میں ڈھے جاتا ہے' لوتھ ہو جاتی ہیں۔ ذات کہ اپنے تئیں ایک جہان ہوتی ہے' ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ کرچیاں بکھر جاتی ہیں۔ اسی عجب بات میں ایک جہان اور عجوبہ۔ کوئی ایک کنکی حق خود اختیاری جتاتے ہوئے اپنی خود مختاری کا اعلان

KitaabPoint.blogspot.com

کر دیتی ہے۔ اپنی دانست میں پوری ذات بن جاتی ہے تو میں اس ساعت پورا کا پورا اس کراچی میں تھا اور اپنے حافظہ سے لڑ رہا تھا۔ اسے اپنے قابو میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور حافظہ باغی ہو چکا تھا وہ یاد نہیں آ رہی تھیں۔ جو سان گمان میں نہیں تھیں' وہ یاد آ رہی تھیں اور اس طرح یاد آ رہی تھیں جیسے وہ مجھے اپنے ریلے میں بہا کر لے جائیں گی۔ لگتا تھا کہ جو کچھ طاق نسیان میں تھا وہ عود کر آیا ہے اور طاق نسیاں خالی پڑا ہے یا شاید ختم ہی ہو گیا ہے' اسے ختم ہونا ہی تھا۔ جب ذات ہی ریزہ ریزہ ہو گئی طاق نسیان کہاں سلامت رہتا۔ وہ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا ہو گا۔ اب پتہ چلا کہ طاق نسیان ہمارے لئے کتنا ضروری ہے۔ کتنی یادوں کو سنگھوا لیتا ہے۔ نہیں تو ہر گھڑی ہمارے اندر یادوں کا محشر بپا رہا کرتا۔ اس وقت میرے اندر یہی کچھ تو ہو رہا تھا۔ طاق نسیاں بکھر چکا تھا۔ میں کہ ایک ریزے' ایک کرچی میں بچا رہ گیا تھا۔ اپنی بے انت یادوں کے ساتھ بڑھتا' پھیلتا جا رہا تھا۔ منو جی کی مچھلی کی مانند کہ چھنگلیا برابر تھی۔ میں کہ ایک کرچی رہ گیا تھا اپنی یادوں کے سمندر کے ساتھ ایک کائنات بنتا جا رہا تھا۔ میرے اندر یادوں کا روز محشر آ گیا تھا۔ جیسے کسی نے صور پھونک دیا ہو۔ مدفون یادیں ایک دم سے زندہ ہو گئی تھیں۔ جیسے اپنا اپنا حساب دینے پہ آمادہ ہوں مگر حساب دینے سے کترا بھی رہی تھیں۔ کوئی یاد اپنا پورا حساب دینے پر آمادہ تھی۔ کسی یاد کا سرا ہی نہیں مل رہا تھا۔ ابتدا یاد آئی تو انتہا غائب' انتہا کا سرا غائب۔ کوئی کہیں بیچ میں سے نمودار ہوئی ہے۔ ابتدا بھی غائب' انتہا بھی غائب۔ پھر یہ کہ کون سی یاد میری اپنی ہے اور کون سی یاد کسی دوسرے کی میری یادوں میں آن ملی ہے۔ جیسے کسی دوسرے کبوتر باز کا کبوتر اڑتا اڑتا آئے اور ہماری چھتری پہ آن بیٹھے اور کبوتروں کو دانہ چگتے دیکھ کر چھتری سے اتر' ان میں آن شامل ہو۔ کہاں کہاں کی یادیں' اپنی پرائی بھٹکاتی آئیں اور میری نجی یادوں میں آ کر رل مل گئیں۔ میں اس وقت کیا کر سکتا تھا۔ نڈھال پڑا تھا' جانکنی کا سا عالم تھا۔ اتنی سکت کہاں تھی' نہ اتنی قوت تمیز کہ اپنی یادوں کو چھانٹ کر پرائی یادوں سے علیحدہ رکھوں۔ بس اس وقت تو یہ عالم تھا جیسے چاروں طرف اندھیرا ہو' گہرا اندھیرا اور ان گنت جگنو ارد گرد اڑ رہے ہوں۔ دمکتی ماند پڑتی ان گنت جگنو ایسی یادیں۔ میں جگنو پکڑ رہا تھا۔ کرتے کے دامن میں جگنو ہی جگنو..... ''منن' او منن! یہ دیکھ بیر بہوٹیں۔'' یہ میمونہ کسے پکار رہی ہے' مجھے؟ یہ کون سا میں ہوں۔ میں جب منن تھا جواب میرے لئے وہ ہے۔ وہ جو تتلیوں کو بھل بھال ادھر لپکتا ہے۔ میمونہ خوشی اور حیرت سے بھری نظریں زمین پہ گاڑے کھڑی رہی ہے' زمین کے اس ٹکڑے پر جہاں بھیگی بھیگی گھاس پہ کتنی بہت سی بیر بہوٹیاں رینگ رہی ہیں' ننھی ننھی سرخ مخمل کی گٹھیاں سی۔ کتنی تیز تیز چل رہی ہیں۔

''منن' کتنی بہت سی بیر بہوٹیاں ہیں۔'' میمونہ کے اندر سے خوشی چھلکی پڑ رہی ہے۔ منن اس کے ساتھ جا شامل ہوتا ہے۔

دونوں کتنی حیرت اور کتنی مسرت سے ہری ہری گھاس میں ان ننھی منی لال لال بیر بہوٹیوں کو رینگتے دوڑتے دیکھ رہے ہیں۔ منن

KitaabPoint.blogspot.com

سے ضبط نہیں ہو پا رہا۔ چھو کے دیکھنا چاہئے۔ ایک بیر بہوٹی کو انگلی سے چھوتا ہے۔ اے لو وہ تو چلتے چلتے ساکت ہو گئی۔

''منن' یہ کیا کیا؟''

''کیا کیا میں نے' کچھ بھی تو نہیں کیا۔ بس ذرا چھوا تھا۔'' منن نے جیسے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہے اور صفائی پیش کر رہا ہے۔

''بیر بہوٹی مر گئی۔''

''نہیں' مری نہیں ہے۔ مکر بنا کے پڑ گئی ہے۔''

''جھوٹ' وہ مر گئی ہے۔'' میمونہ جیسے اب روئی اور اب روئی۔

''شرط بدتا ہوں' نہیں مری۔''

منن کا اوپر کا سانس اوپر' نیچے کا نیچے۔ ساکت بیر بہوٹی کو تکے جا رہا ہے۔ اگر سچ مچ مر گئی ہے تو پھر کیا ہو گا۔ اللہ کرے بیر بہوٹی جی اٹھے۔ اللہ میاں بیر بہوٹی کو جلا دو۔ اللہ میاں نے تو واقعی سن لی۔ اے لو اس نے دھیرے دھیرے پنجے کھولے اور پھر رینگنا شروع کر دیا ہے۔

''آہا' بیر بہوٹی زندہ ہو گئی۔'' میمونہ خوشی سے تالی بجا رہی ہے۔

''میں نہ کہتا تھا مری نہیں ہے۔ بیر بہوٹی بہت مکر کرتی ہے۔ ذرا چھو لو ایسا مکر کرتی ہے جیسے سچ مچ مر گئی ہو۔''

پھر انہیں پکڑیں کیسے' دونوں دبدا میں پڑ جاتے ہیں۔ پکڑیں یا نہ پکڑیں..... ''میمونہ!''

''ہاں' کیا ہے۔''

''ہولے بول' تتلی۔''

''کہاں؟'' میمونہ سرگوشی میں پوچھتی ہے۔

''وہ!'' وہ انگلی کے اشارے سے بتاتا ہے۔ چنبیلی کی اوپر والی شاخ پہ ایک پتے پہ ٹکی ہوئی۔ کالے چمکتے پروں پہ سفید زرد پتیاں۔ وہ چپکے چپکے چنبیلی کی طرف بڑھتا ہے۔ ہاتھ اس طرف بڑھاتا ہے کہ وہ پھڑ پھڑا کر اڑتی ہے اور فضا میں چکر کاٹنے لگتی ہے ..... تو بھیا روز وہ شہزادی جب باغ میں جاتی تو دیکھتی کہ وہ تتلی اسی پھول پہ آ کر پھر بیٹھی ہے اور حیران ہوتی کہ آخر یہ تتلی اسی پھول پہ آ کر کیوں بیٹھے ہے۔''

''پھوپھی اماں' وہ تتلی کیوں اسی پھول پہ آ کے بیٹھتی تھی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''اے بیٹا دم تو لو دیکھو تو سہی آگے ہوتا کیا ہے۔ وہ تتلی تو تھی نہیں۔''

''وہ تتلی نہیں تھی' پھر کون تھی؟''

''تھوڑا دم لو' سنو کہ پھر ہوا کیا۔''

''میں بتاؤں پھر کیا ہوا؟'' میمونہ بیچ میں ٹر سے بول اٹھتی ہے۔

''تو بیچ میں کیوں بول رہی ہے' کہانی سننے دے۔ ہاں پھوپھی اماں پھر کیا ہوا؟''

''اے بیٹا' پھر یہ ہوا کہ شہزادی نے..... ''

''جواد' آنکھیں کھولو۔ دیکھو کون آیا ہے۔'' مجو بھائی کی آواز۔ جگنوؤں سے بھرا اندھیرا تتر بتر ہو جاتا ہے۔ کس مصیبت سے میں اس آنند بھرے اندھیرے سے نکل کر اجالے میں آتا ہوں اور تھوڑی سی آنکھ کھولتا ہوں۔ ارے سید آقا حسن اور بشو بھابی!

''عالی جاہ' کیا کر لیا یہ آپ نے؟''

''اے ہے ان کلموؤں کو کچھ نہیں کہتے۔ انہیں ہیضے کی کلی آئے' وہ تھے کون؟''

''بھابی' اب اس بات کو جانے ہی دیں کہ کون تھے وہ؟ بہر حال باہر سے تو کوئی نہیں آیا تھا۔''

''ٹھیک کہتے ہو مجو بھائی' ہم خود ہی اپنی جانوں پر ستم توڑ رہے ہیں۔ خیر' پہلے احوال بتایئے۔ خیریت تو رہے گی۔ کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟''

''رپورٹ اطمینان بخش ہے۔ خطرے کی اب کوئی بات نہیں ہے۔''

''اللہ تیرا شکر ہے۔''

''استاد! جان بچ گئی' شکر کرو۔ بھابی' اصل میں ڈرائیور ہمت والا نکلا۔ حاضر دماغی سے کام لیا۔ فراٹے سے وہاں سے گاڑی نکالی اور سیدھا ہسپتال پہنچ گیا۔ بس بروقت ایڈمل گئی۔''

''جان جو بچنی تھی۔ اے مجو بھائی' میری تو طبیعت رات ہی سے پریشان تھی۔ کمبخت بلی رات کو ایسی بری طرح روئی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ دل یوں یوں کرے۔ اے اللہ کوئی پریشانی کی خبر مت سنو یو۔ یہ کہا اور تین مرتبہ نادعلی پڑھ کے پھونکا اور سو گئی۔ بس سمجھو کہ یہ نادعلی کا اعجاز ہے کہ جان بچ گئی۔''

''ہاں بھابی' بس معجزہ ہی ہوا ہے۔''